بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یوسفؑ کو عزیزوں نے چھڑایا جو پدر سے ۱ فرقت ہوئی یعقوبؑ کو اُس رشکِ قمر سے
رنگِ رخِ پُر نور اُڑا دردِ جگر سے دنیا ہوئی اندھیر، چھُپا چاند نظر سے
دل آب ہوا جاتا تھا فرزند کے غم میں
بیٹا تو کنویں میں تھا، پدر چاہِ الم میں

تھا چشم کے چشموں سے رواں اشک کا سیلاب ۲ بر میں دلِ مجروح تپاں صورتِ سیماب
آرام کی صورت، نہ کوئی زیست کا اسباب فرزند جب آنکھوں سے نہاں ہو تو کہاں خواب
بستر کو کبھی دیکھ کے دلبند کے روئے
تکیوں سے لپٹ کر کبھی فرزند کے روئے

پیراہنِ یوسفؑ کبھی آنکھوں سے لگاتے ۳ کُرتے کو کبھی سونگھ کے تھے اشک بہاتے
رو رو کے یہ فرماتے جو کپڑے نظر آتے پوشاک یہ جس کی ہے اُسے ہم نہیں پاتے
افسوس کہ وہ خلق سے بن باپ سدھارے
کپڑے تو دھرے رہ گئے اور آپ سدھارے

جاتے تھے عصا تھامے ہوئے شہر میں گھر گھر　۴　بیٹے سے ملاقات نہ ہوتی تھی میسّر
جو راہ میں ملتا تھا تو یہ کہتے تھے رو کر　ملتا نہیں گُم ہوگیا یوسفؑ مِرا دلبر
اب جان نکلتی ہے جِلا دے مجھے کوئی
فرزند سے لِلّٰہ ملادے مجھے کوئی

ہر بات پہ رو کر کفِ افسوس کو ملتے　۵　ہر گام پہ بسمل کی طرح گر کے سنبھلتے
اشک آنکھوں سے ہر مرتبہ رخسار پہ ڈھلتے　گہ ضعف سے گرتے، کبھی اٹھتے، کبھی چلتے
جب شہر میں پاتے نہ تھے اس رشکِ قمر کو
صحرا کی طرف ڈھونڈنے جاتے تھے پسر کو

سائے میں درختوں کے کبھی بیٹھ کے روتے　۶　اشکوں سے کبھی دشت کے دامن کو بھگوتے
صحرا کے پرندوں سے مخاطِب کبھی ہوتے　دریا سے یہ کہہ کر کبھی منہ اشکوں سے دھوتے
اب اس کی جدائی کی مجھے تاب نہیں ہے
تجھ میں تو مِرا گوہرِ نایاب نہیں ہے

تھے چار طرف دشت میں فرزند کے جویا　۷　چلّاتے تھے اے لعل تو کس قبر میں سویا
یوسفؑ تجھے کس چاہ میں لوگوں نے ڈبویا　خودگم ہوں کہ پیارے تجھے ان ہاتھوں سے کھویا
کچھ تیرا پتہ اے مرے مہ رُو نہیں ملتا
سب آنکھوں کے آگے ہیں مگر تو نہیں ملتا

کیا جانئے ہو دھوپ میں یا سر پہ ہے سایا　۸　کھانا بھی کہیں چین سے کھایا کہ نہ کھایا
گرمی کے ہیں دن پانی بھی ٹھنڈا کہیں پایا　آرام مِرے ہجر میں کیونکر تجھے آیا
راحت بھی کوئی دم ہے کہ دکھ سہتے ہو بیٹا
جنگل ہے کہ بستی ہے، کہاں رہتے ہو بیٹا

گر شام کو خورشید نہاں ہوتا ہے پیارے ۹ تو دیکھتے ہیں لوگ اُسے صبح کو سارے
گردِن کو چھُپے، شب کو نکلتے ہیں ستارے تو کون سی بدلی میں ہے اے چاند ہمارے
حیرت ہے مرے دیدۂ دیدار طلب کو
جلوہ ترا دن کو نظر آتا ہے، نہ شب کو

لِلّٰہ ملاقات کی صورت تو بتاؤ ۱۰ آنکھوں کی بصارت بھی چلی، اب نہ رلاؤ
اے لعل کبھی خواب میں بابا کے تو آؤ مادر کے تڑپنے کو ذرا دیکھ کے جاؤ
چہرے سے ردا کا کبھی کونا نہیں چھٹتا
جس روز سے تم چھوٹے ہو رونا نہیں چھٹتا

برسوں جو اسی طرح رہے مضطر و دلگیر ۱۱ طاقت جو گھٹی، رنج بڑھا، غم سے ہوئے پیر
تھے فرق سے تا ناخنِ پا، درد کی تصویر اب جائیں کہاں، ضعف ہوا پاؤں کی زنجیر
زور اپنا دکھا یا کمرِ راست کے خم نے
بٹھلا دیا بیٹے کے بچھڑ نے کے الم نے

بیتُ الحزُن اور آپ، نہ کھانا تھا نہ سونا ۱۲ گر دِن تھا تو رونا تھا، جو تھی رات تو رونا
آہیں کبھی کرنا کبھی منہ اشکوں سے دھونا اک کہنہ حصیر اور نہ تکیہ نہ بچھونا
آرام نہ بے گریہ و زاری کوئی دم تھا
رخساروں پہ تھے زخم اور آنکھوں پہ ورم تھا

اِفراطِ الم سے یہ جوانی میں ہوا حال ۱۳ معلوم یہ ہوتا تھا کہ ہیں پیرِ کہن سال
اک طائرِ روح اور رگوں کا تھا فقط جال کوئی نہ رہا ریشِ مبارک میں سیہ بال
روئے یہ شب و روز جدائی میں پسر کی
آنکھیں بھی ہوئیں نذر اسی نورِ نظر کی

فرمایا جب آنکھوں کی بصارت ہوئی زائل ۱۴ بہتر ہوا مضطر نہیں سینے میں مرادِل
یوسفؑ کی نظر آئی نہ جب شکل و شمائل بینائی سے کیا فائدہ، کیا آنکھوں سے حاصل
جو نورِ نظر تھا وہ نظر بند ہوا ہے
اِن آنکھوں کے حجرے نہ کھُلیں اب تو بجا ہے

پوچھا یہی گر کوئی ملاقات کو آیا ۱۵ بتلاؤ کہ یوسفؑ کا پتہ ہے کہیں پایا
افسوس کہ پیارے کی خبر کوئی نہ لایا ایسا نہیں بچھڑا کہ ملے گا مِرا جایا
کیا لطف ہے گر جیتے رہے کھو کے پسر کو
اے جان نکل اب کہ قرار آئے جگر کو

ہر چند کے یعقوبؑ کے گیارہ تھے پسر اور ۱۶ آرام مگر دل کو نہ آتا تھا کسی طور
یعقوبِؑ محمدؐ کی مصیبت پہ کرو غور آقا پہ تمہارے ہوئے کیا کیا ستم و جور
حقّا کہ رضا جوئے خدا وہ شہِ دیں تھا
اُس لعل کو کھویا کہ جو یوسفؑ سے حسیں تھا

یعقوبؑ کے آگے جو پسر برچھیاں کھاتا ۱۷ ہے دل کو یقیں منہ سے کلیجہ نکل آتا
فرزند کا دکھ باپ سے دیکھا نہیں جاتا اکبرؑ سے پسر کو کوئی ہاتھوں سے گنواتا
ہوتا ہے قلق گُل ہو اگر خار کے نیچے
رکّھے تو کلیجہ کوئی تلوار کے نیچے

یارب کوئی فرزند جدا ہو نہ پدر سے ۱۸ موت آکے نہ لے جائے یہ دولت کسی گھر سے
اُٹھ جاتا ہے جینے کا مزہ مرگِ پسر سے جاتا نہیں یہ داغ مرے پر بھی جگر سے
اس غم میں کرے صبر، نہیں دل یہ کسی کا
ہاں سبطِ پیمبرؐ کا، حسینؑ ابنِ علیؑ کا

دل باپ کا مانے کہ پسر قبر میں سوئے ۱۹ غیروں کے لئے اپنی کمائی کوئی کھوئے
فرزندِ جواں قتل ہو اور باپ نہ روئے خوں میں کوئی اپنے دُرِ یکتا کو ڈبوئے
فرزند کا غم بانوّئے ناشاد سے پوچھو
یہ درد کسی صاحبِ اولاد سے پوچھو

یوں روتے تھے جس طرح کہ مرجاتا ہے فرزند ۲۰ یعقوبؑ پہ ثابت تھا کہ زندہ ہے جگر بند
لیکن پسرِ فاطمہؑ تھا خُرّم و خورسند تھی اُن سے سوا بیٹے کی الفت انھیں دہ چند
فرماتے تھے فرزند عنایت ہے خدا کی
دینے میں ہے کیا عذر، امانت ہے خدا کی

کنعانِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہوتا ہے خالی ۲۱ کرتا ہے سفر یوسفِؑ شاہنشہِ عالی
ہاتھوں سے جگر تھامے ہے ماں پالنے والی تقدیر نے حسرت بھی نہیں کوئی نکالی
کرتی ہے نظر یاس سے جب رُوئے پسر پر
چل جاتی ہے اک ظلم کی برچھی سی جگر پر

بسمل کی طرح لوٹتی ہے دل کو سنبھالے ۲۲ پلکوں کے کلیجے میں درآتے ہیں جو بھالے
واری تجھے اس پیچ سے اللہ نکالے بیٹے سے اشارہ ہے کہ اے گیسوؤں والے
جنّت میں ہمیں ساتھ نہ لے جاؤ گے بیٹا
کیا چھوڑ کے مادر کو چلے جاؤ گے بیٹا

رہ جاتا ہے رو کر پسرِ بیکس و ناچار ۲۳ حال اپنا اشاروں میں جو ماں کرتی ہے اظہار
فرماتے ہیں حضرت کہ سجو جنگ کے ہتھیار رخصت جو طلب باپ سے کرتا ہے وہ دلدار
فرزند بھی، گھر بار بھی، سب نذرِ خدا ہے
مادر سے کہو، باپ تو راضی بہ رضا ہے

ہم شاد ہیں، کیوں روتے ہو اے اکبرِؑ گلفام   ۲۴   تم شوق سے سر دے کے کرو خلد میں آرام
کردے گا خدا اپنے سفر کا بھی سرانجام   میرا تو یہ مطلب ہے کہ امّت کا بنے کام
حق تم پہ ہے زینبؑ کا، وہ ہاں روکے تو روکے
ہم تم کو نہ روکیں گے، جو ماں روکے تو روکے

میں باپ ہوں، الفت مری کیا اے مرے پیارے   ۲۵   یکساں ہے، رہے یا نہ رہے پاس ہمارے
مشکل ہے کہ دو چاہنے والے ہیں تمھارے   جان ایک کی اور ایک کی ہو آنکھوں کے تارے
دامن جو وہ پکڑیں تو چھڑا سکتے ہو بیٹا؟
بے دونوں کے راضی کیئے جاسکتے ہو بیٹا؟

یہ ہم نہیں، جو تم نے کہا منہ سے وہ مانا   ۲۶   دیکھیں گے کہ جاؤ گے کچھ آسان ہے جانا
اشکوں کے بہانے کو بھی سمجھیں گے بہانا   دشوار ہے، مشکل ہے، رضا جنگ کی پانا
جو ماں کا، وہی زینبِؑ دلگیر کا حق ہے
یاں پالنے کا حق ہے تو واں شِیر کا حق ہے

نزدیک ہمارے تو ہے رخصت میں تأمّل   ۲۷   دو قُمریاں، اک سرو ہے، دو بلبلیں، اک گُل
بالوں کو جو بکھرائیں گی وہ صورتِ سُنبُل   ہوئے گا بپا نالہ و فریاد کا اک غل
صدقے کوئی ہوگی، کوئی قدموں پہ گرے گی
ماں پکڑے گی دامن تو پھوپی گرد پھرے گی

لو مان لیا ہم نے کہ ماں نے تری مانا   ۲۸   ہوئے گا گوارا تجھے زینبؑ کا رلانا
ہوجائے گا دم تن سے ترے ساتھ روانہ   تو جان ہے سب گھر کی، مناسب نہیں جانا
مرجائیں گے گر دیر ہوئی آنے میں بیٹا
دو جانوں کا نقصاں ہے ترے جانے میں بیٹا

رخصت کا سخن لب پہ بھلا لانے سے حاصل ۲۹ دو جانیں تلف ہوتی ہیں، اس جانے سے حاصل
تدبیر نکالو کوئی، غم کھانے سے حاصل واں جاؤ تو جاؤ، مِرے پاس آنے سے حاصل
اک ہم ہوئے ایسے کہ کیا صبر پسر کو
اُن سے تو سنبھالا نہیں جائے گا جگر کو

بہنیں تری صدقے ہیں، پھوپی ہیں ترے قربان ۳۰ ہو ایک تو کوئی انھیں سمجھائے مری جان
پوتے کے کھلانے کی ہوس، بیاہ کا ارمان اور ماں کی جو پوچھو، اُسے سَو طرح کے ہیں دھیان
منصِف ہو، یہ دنیا سے سفر کرنے کے دن ہیں
راتیں یہ مرادوں کی ہیں، یا مرنے کے دن ہیں

خادم کو نہ روکے گی پھوپی اور نہ مادر ۳۱ اکبرؑ نے کہا باپ سے یہ ماں کو سنا کر
حضرت سے زیادہ انھیں پیارا نہیں اکبرؑ وہ آپ کہیں گی کہ فدا ہو مِرے دلبر
زہراؑ کی بہو یہ ہیں، تو وہ بنتِ علیؑ ہیں
جو چاہیں سو دیں، یہ بھی سخی، وہ بھی سخی ہیں

بیٹی ہوئی رانڈ اُن کی مگر دم نہیں مارا ۳۲ فرزندوں کو حضرت پہ پھوپی جان نے وارا
ہاں آپ کی فرقت نہیں ہونے کی گوارا اس وقت میں مجھ کو بھی نہیں کرنے کی پیارا
دھڑکا ہے رنڈاپے کا جو رنجیدہ ہیں امّاں
ناداں نہیں، فہمیدہ و سنجیدہ ہیں امّاں

ہوتی ہے رنڈاپے میں ردا کے لئے محتاج ۳۳ وارث ہے جو سر پر تو ہے عورت کے لئے تاج
سایہ ہے فقط آپ کا ان کے لئے معراج کوکھ اُجڑے تو اُجڑے پہ نہ دنیا میں لٹے راج
یہ آپ کی خدمت کو پسر حق نے دیئے ہیں
فرزند اگر ہیں تو اسی دن کے لئے ہیں

ممکن ہے کہ یہ اپنی کمائی کو بچائیں ۳۴ اور فاطمہؑ کے لال کو ہاتھوں سے گنوائیں
یہ وہ ہیں کہ مرضی جو ذرا آپ کی پائیں اصغرؑ کو بھی جھولے سے ابھی نذر کو لائیں
تلواروں سے دل کو نہ بچائیں نہ جگر کو
خود بھیج دیں تلواروں میں بیمار پسر کو

حضرت کو پھوپی جان کی جیسی ہے محبت ۳۵ یہ بھائی بہن میں کبھی دیکھی نہیں الفت
ہیں آپ کے بدلے یہ گرفتارِ مصیبت کیا دُور ہے بن مانگیں اگر دیں مجھے رخصت
حُرؑ کے لئے سجّادے پہ مشغولِ دعا ہیں
جو آپ پہ قربان ہو، یہ اُس پہ فدا ہیں

مطلق نہیں دھیان ان کو، رہے یا کوئی جائے ۳۶ اُن کو تو وہ پیارا ہے جو کام آپ کے آئے
کچھ غم نہ ہوا ہاتھ سے دو لعل گنوائے اس کی ہیں وہ جو یا کہ بہن بھائی کو پائے
کیا ذکر خفا ہونے کا، خوشنود ہیں وہ تو
جان اپنی فدا کرنے کو موجود ہیں وہ تو

بانو نے کہا زینبِؑ بیکس سے کہ ہمشیر ۳۷ سنتی ہو یہ تم باپ کی اور بیٹے کی تقریر
ہر بات ہے یہ میرے کلیجے کے لئے تیر میں کیا کروں، کچھ مجھ کو بن آتی نہیں تدبیر
اکبرؑ سے محبت کے گِلے مجھ کو بڑے ہیں
ہے پاسِ ادب سبطِ نبیؐ پاس کھڑے ہیں

کیا ہوئے گا سینے میں دھڑکتا ہے مرا دل ۳۸ کیوں لائے ہیں ہمراہ پسر کو شہِ عادل
اس وقت مدد کیجے کہ آساں ہو یہ مشکل بے آس کریں گے ہوئے جب بیاہ کے قابل
کچھ آپ بھی سمجھایئے اس غنچہ دہاں کو
گویائی کی طاقت تو نہیں میری زباں کو

یہ آپ سے کر سکنے کے ہرگز نہیں تکرار ۳۹ میں باندھتی ہوں ہاتھوں کو کھلوایئے تلوار
زینبؑ نے کہا تم سے بچھڑتا نہ یہ دلدار — وہ کیا کرے، ہے باپ مصیبت میں گرفتار
رخصت نہ اگر دوگی تو قدموں پہ جھکے گا
یہ صاحبِ غیرت نہ رکے گا، نہ رکے گا

لٹ جائے گی اٹھارہ برس کی یہ کمائی ۴۰ ہوجائے گا پھر بیکس و تنہا مرا بھائی
دولھا نہ بنایا، نہ دلھن بیاہ کے لائی — لے جاؤں گی ہے ہے علی اکبرؑ کی جدائی
میں خوش تھی کہ اب ساتھ دلھن لے کے چلیں گے
کیا اس کی خبر تھی کہ نہ پھولے نہ پھلیں گے

بانوؑ سے بھی، زینبؑ سے بھی کہنے لگے سرور ۴۱ کیا کہتی ہو، جائے کہ نہ جائے علی اکبرؑ
چپ رہ گئی زینبؑ تو کلیجے کو پکڑ کر — بانوؑ نے کہا حکم سے لونڈی نہیں باہر
میں جان گئی بیٹے کی اور باپ کی مرضی
مختار ہو، صدقے گئی، جو آپ کی مرضی

واجب ہے اطاعت مجھے یا سیدِ ابرار ۴۲ طاقت ہے، میں اس امر میں کر سکتی ہوں تکرار
میں آپ کی، گھر آپ کا، اور آپ کے دلدار — لونڈی کے بھی مالک ہو اور اکبرؑ کے بھی مختار
شِکوہ نہیں، گر ہیں تو محبت کے گِلے ہیں
یہ لعل مجھے آپ کے صدقے میں ملے ہیں

ہے کام کا وہ ان میں جو کام آپ کے آئے ۴۳ ارشاد جسے کیجیے، وہ مرنے کو جائے
فرماؤ تو لونڈی علی اصغرؑ کو بھی لائے — حسرت ہے کہ مادر انھیں نوشاہ بنائے
پر غم نہیں اس کا بھی کہ یہ ہم سے جدا ہوں
اب تو یہی شادی ہے کہ حضرت پہ فدا ہوں

شہ بولے نہیں، جس میں خوشی ہوئے تمھاری ۴۴ اکبرؑ رہیں، ہم جائیں سوئے لشکرِ ناری
بانوؑ نے کہا میں تو رضامند ہوں واری کہہ دیجئے ان سے کہ نہ منگوائیں سواری
سب جائیں مگر آپ کا جانا نہیں منظور
خاتونِ قیامت کا رلانا نہیں منظور

گر کہیے تو آنسو بھی نہ آنکھوں سے بہاؤں ۴۵ بیٹے کی محبت کے سخن لب پہ نہ لاؤں
ہاتھوں کو بھی پھیلا کے گلے سے نہ لگاؤں روتی ہوئی پہنچانے کو در تک بھی نہ جاؤں
اولاد جو پیاری ہے تو حضرت ہی کے دم تک
کہیے تو بلائیں بھی نہ لوں سر سے قدم تک

پھٹ جائے کلیجہ بھی تو منہ سے نہ کروں آہ ۴۶ دامن بھی نہ پکڑوں جو یہ میدان کی لیں راہ
گو دل پہ گرے ہجر میں کوہِ غمِ جانکاہ نے روؤں، نہ پیٹوں، نہ کہوں ہائے مرا ماہ
سمجھوں نہ کہ غفلت میں یہ کیا ہوگیا مجھ سے
پالا تھا کسے، کون جدا ہوگیا مجھ سے

شہؑ نے کہا کیا کہنا ہے واللہ تمھارا ۴۷ ہوتا نہیں یہ داغ کسی ماں کو گوارا
ہاتھوں سے نہ کھوئے کوئی اس طرح کا پیارا کس صبر سے اس راہ میں فرزند کو وارا
ہر دکھ میں ہر اِک رنج میں راضی بہ رضا ہیں
یہ کام انھی کا ہے جو خاصانِ خدا ہیں

جیتا نہیں وہ جس کے مقدّر میں ہے مرنا ۴۸ مشکل ہے مگر صبر کی سِل چھاتی پہ دھرنا
آفت تو ہے فرزند کا دنیا سے گزرنا انسان کو لازم ہے مگر صبر بھی کرنا
برسوں سے یہی رنگِ گلستانِ جہاں ہے
جس گُل پہ بہار آج ہے، کل اُس پہ خزاں ہے

کچھ پھول تو دکھلا کے بہار اپنی ہیں جاتے ۴۹ کچھ سوکھ کے کانٹوں کی طرح ہیں نظر آتے
کچھ گُل ہیں کہ پھولے نہیں جامے میں سماتے غنچے بہت ایسے ہیں کہ کھِلنے نہیں پاتے
بلبل کی طرح روتے ہیں فریاد و فغاں سے
کچھ بس نہیں چلتا چمن آرائے جہاں سے

مرتا ہے جواں سامنے اور دیکھتے ہیں پیر ۵۰ ماں باپ کا کیا زور ہے، جو خواہشِ تقدیر
سر پیٹ کے فریاد کرے مادرِ دلگیر جز صبر بن آتی نہیں لیکن کوئی تدبیر
آرام جسے دیتے ہیں چھاتی پہ سلا کر
رکھ آتے ہیں ہاتھوں سے اُسے قبر میں جا کر

مٹی سے بچاتے ہیں سدا جس کا تنِ پاک ۵۱ اس گُل پہ گرا دیتے ہیں خود سیکڑوں من خاک
مادر جسے عریاں نہیں کرتی تہِ افلاک وہ قبر میں سوتا ہے، دھری رہتی ہے پوشاک
تربت میں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا
شمعیں بھی جلاؤ تو اجالا نہیں ہوتا

بس ہوتا تو فرزند سے ہم پہلے نہ مرتے؟ ۵۲ کوچ ان کا نہ ہوتا کہ سفر خلق سے کرتے
بے ان کے کوئی آن نہ دنیا میں ٹھہرتے یہ غسل وکفن دے کے ہمیں قبر میں دھرتے
پر دخل ہمیں مرضئ معبود میں کب ہے
واں ہم سے بھی پہلے علی اکبرؑ کی طلب ہے

منظور ہمیں شیعوں کی ہے عقدہ کشائی ۵۳ عباسؑ کو روئیں گے جو مرجائے گا بھائی
ہوگی جو کسی باپ سے بیٹے کی جدائی دھیان آئے گا اکبرؑ نے سناں سینے پہ کھائی
جب اپنے پسر کے لئے فریاد کریں گے
وہ داغ کلیجے کا مِرے یاد کریں گے

۵۴ ہیں دوست مِرے یاد کریں گے غمِ اصغرؑ فرزندِ صغیر اُن کا تلَف ہوگا کوئی گر
کبریٰؑ کے رنڈاپے پہ وہ روئے گا مقرّر ہوجائے گی بیوہ جو کسی شخص کی دختر
بھولیں گے مرے غم میں الم خویش و پسر کا
مرہم یہی ان لوگوں کے ہے زخمِ جگر کا

۵۵ کیا صبر مِرا، کیا مِرا دل، کیا مِری ہمّت بانوؑ نے کہا ختم ہے زہرؑا پہ سخاوت
پر کیوں نہ ہو زہرؑا کی بہو صاحبِ غیرت تھا مجھ کو تردُّد کہ نہ دوں گی انھیں رخصت
خوشنودئ خالق جو مجھے مدِّ نظر ہے
صدقے گئی یہ آپ کی صحبت کا اثر ہے

۵۶ یہ فیض اسی گھر سے ہوا ہے مجھے حاصل اس گھر میں نہ ہوتی تو کب اس صبر کے قابل؟
بیٹا علی اکبرؑ سا ملا حُور شمائل شوہر تو ملا ابنِ علیؑ سا شہِ عادل
ہاتھ آگیا خورشید تو ایسا، قمر ایسا
کس بی بی نے پایا ہے گھر ایسا، پسر ایسا

۵۷ کی جس نے رسولوں کی سدا عقدہ کشائی سُسرا وہ کہ جس شیر کے قبضے میں خدائی
نند ایسی کہ جس عابدہ کا آپ سا بھائی ساس ایسی کی جو احمدِؐ مختار کی جائی
خود مصحفِ اکبر میں بیاں جن کا کیا ہے
رشتہ مجھے ان موتیوں سے حق نے دیا ہے

۵۸ کس پیار سے چھاتی سے لگایا تھا مرا سر جب خواب میں آئی تھیں مِرے آپ کی مادر
میں فاطمہؑ ہوں، ہے ترا دولھا مِرا دلبر ارشاد کیا تھا یہ دلھن مجھ کو بنا کر
لائی ہوں کمائی کو شہِ عقدہ کشا کی
لے دیکھ لے صورت کو مِرے ماہ لقا کی

لونڈی نے جو گردن سرِ زانو سے اٹھائی ۵۹ حضرت کی یہی چاند سی صورت نظر آئی
اس حُسن کے نظّارے کی میں تاب نہ لائی پر بیکسی و یاس سی تھی چہرے پہ چھائی
قطرے کئی رخساروں پہ آنکھوں سے ڈھل آئے
حضرت تو ہنسے اور مِرے آنسو نکل آئے

زہراؑ نے کہا ہے یہ مِری آنکھوں کا تارا ۶۰ فرزند کو احمدؐ نے اسی لال پہ وارا
کیجو مِرے پیارے سے کمائی کو نہ پیارا صدقے گئی وہ آج کھُلا مجھ پہ اشارا
حق ان کی محبت کا ادا کرتی ہے باتّو
دولت یہی اک ہے سو فدا کرتی ہے باتّو

بانوؑ نے یہ تقریر جو کی تھام کے رِقّت ۶۱ اکبرؑ کی طرف دیکھ کے رونے لگے حضرت
فرمایا کہ ان سے بھی تو لو مرنے کی رخصت جس بی بی نے اٹھّارہ برس کی ہے ریاضت
گو چپ ہے مگر اس کو قلق ماں سے سوا ہے
تم پر مِری ہمشیر کا حق ماں سے سوا ہے

زینبؑ نے کہا جس میں رضائے شہِ عالی ۶۲ میں نے تو کوئی بات نہیں منہ سے نکالی
کیا غم ہے نہ پوچھا مجھے، ماں سے تو رضا لی مالک ہیں وہی، میں تو ہوں اِک پالنے والی
صدقے کئے فرزند، پھوپی سوگ نشیں ہے
سمجھیں تو مِرا حق ہے، نہ سمجھیں تو نہیں ہے

بچپن میں یہ چھاتی پہ مِری کاہے کو سوئے ۶۳ کب جاگی میں تا صبح جو یہ چونک کے روئے
کنگھی نہیں کی، گیسوئے مشکیں نہیں دھوئے ان کے لئے کب میں نے پسر ہاتھ سے کھوئے
کیوں روتے ہیں یہ، کس لئے حضرت کو قلق ہے
حقدار میں کاہے کو، مرا کون سا حق ہے

سی کے نئے کرتے انھیں کس روز پہنائے ٦٤ اسپند کیا کب، یہ کہیں جاکے جو آئے
رکھتی تھی میں کس دن انھیں دولھا سا بنائے ناز اِن کی پھوپی نے کبھی کاہے کو اٹھائے
پوچھے تو کوئی گھٹنیوں جس روز چلے تھے
ان تلووں سے یہ دیدۂ تر کس نے ملے تھے

راتوں کو رہا کون چھٹی چلّوں میں بیدار ٦٥ کس نے کہو سرمہ دیا ان آنکھوں میں ہر بار
پہلو میں رہا دل کی طرح کس کے یہ دلدار کس بی بی نے گیسو ہیں یہ منّت کے رکھے چار
بے میری اجازت جو یہ مرنے کو چلے ہیں
پوچھے تو کوئی کس کی مرادوں کے پلے ہیں

جب دودھ بڑھانے کا ہوا خیر سے ہنگام ٦٦ اس شادی کا کس نے کیا کنبے میں سرانجام
قرباں رہی اٹھارہ برس جو سحر وشام پوچھا بھی نہ، ہاں سچ ہے اب اس بی بی سے کیا کام
کیوں ان کی بلا لے کے نہ پہلے ہی موئی میں
سب لوگ تو ان کے ہوئے، کوئی نہ ہوئی میں

یا بے مِرے پوچھے نہ کہیں جاتے تھے زنہار ٦٧ یا آج ہیں دنیا سے سفر کرنے کو تیار
اس فاقے میں باندھی کمر اور سج لئے ہتھیار مجبور ہمیں پاکے یہ ایسے ہوئے مختار
بھیگیں جو مسیں موت کا پیغام یہی تھا
آغازِ خطِ سبز کا انجام یہی تھا

خوش ہیں کہ رضا مرنے کی لی اپنے پدر سے ٦٨ الفت کے سبب بس نہ چلا ماں کا پسر سے
میں ساتھ ہی نکلوں گی ردا پھینک کے سر سے کس طرح سے جاتے ہیں بھلا جائیں تو گھر سے
دلبند کلیجے سے جدا میں نے کئے ہیں
اس لعل پہ دو لعل فدا میں نے کئے ہیں

میں جیتی ہوں، یہ جائیں گے کیونکر سرِ مقتل ۶۹ اب تک مِری آنکھوں سے ہوئے ہیں کبھی اوجھل
اٹھارہ برس کی ہے ریاضت کا یہی پھل بستی مِری ویران ہو، آباد ہو جنگل
سر سبز ہو جو نخل اکھاڑا نہیں جاتا
ہاتھوں سے چمن اپنا اجاڑا نہیں جاتا

زینبؑ نہیں جینے کی جو یہ بھی نہ رہے پاس ۷۰ مرنے کا نہ لیں نام مجھے آتا ہے وسواس
اب تو یہی میری ہے مراد اور یہی آس نے عونؑ و محمدؑ ہیں، نہ قاسمؑ ہیں، نہ عباسؑ
تیار جنازہ مِرا کرلیں تو سدھاریں
ہاتھوں سے مجھے قبر میں دھرلیں تو سدھاریں

حضرت کے بھی، اکبرؑ کے بھی آنسو ہوئے جاری ۷۱ سُن کر یہ سخن بیبیاں رونے لگیں ساری
غش ہوگئی اور ہوش میں آئی کئی باری بانوئے دوعالم پہ یہ رِقّت ہوئی طاری
نہ دھیان سکینہؑ کا، نہ اصغرؑ کی خبر تھی
زینبؑ پہ کبھی اور کبھی اکبرؑ پہ نظر تھی

رخصت نہ ملے گی تمھیں، کیوں کہتے نہ تھے ہم ۷۲ بیٹے سے یہ فرمانے لگے قبلۂ عالم
مرجائے گی، اس درد رسیدہ کو نہ دو غم دو چاند سے فرزند ہوئے ہیں ابھی بے دم
ماں کی یہی مرضی، یہی بابا کی خوشی ہے
زینبؑ کی خوشی حضرتِ زہراؑ کی خوشی ہے

کہتی ہیں نہ جانے کو اگر یہ، تو نہ جاؤ ۷۳ لازم ہے کہ حقدار کے حق کو نہ بھلاؤ
دن پھولنے پھلنے کے ہیں، کیوں برچھیاں کھاؤ خود چاہتے تھے ہم کہ رضا رن کی نہ پاؤ
جان اپنی جوانی میں نہ دو باپ کے بدلے
اُمّت پہ فدا ہوں گی ہمیں آپ کے بدلے

بہنوں سے خبردار، برادر سے خبر دار ۷۴ لومرنے کو ہم جاتے ہیں تم گھر سے خبردار
بنتِ اسداللہ کی چادر سے خبردار لُوٹے نہ کوئی، آلِ پیمبرؐ سے خبردار
کیوں روتے ہو اے لعل جھکائے ہوئے سر کو
دیکھو تو ادھر اب تو نہ روکو گے پدر کو

سینوں کو لگے پیٹنے ہاتھوں سے حرم سب ۷۵ کہرام ہوا شہ نے یہ بیٹے سے کہا جب
اکبرؑ کا تو رنگ اُڑ گیا، گھبرائی زینبؑ بانوؑ نے کہا ہائے مِرا راج لٹا اب
روئی جو سکینہؑ قدمِ شہ سے لپٹ کر
کبریٰؑ بھی لگی پیٹنے گھونگھٹ کو الٹ کر

سب دیکھتے ہیں اور مرا گھر ہوتا ہے برباد ۷۶ زہراؑ کی صدا آئی کہ فریاد ہے فریاد
ایسی مِری اولاد سے پیاری ہوئی اولاد فکر اپنی ہے سب کو، مِرا دکھ درد نہیں یاد
بہنیں نہیں یا گود کا پالا نہیں کوئی
شبیرؑ کا کیا روکنے والا نہیں کوئی

منظور نہیں گود کے پالے کی جدائی ۷۷ اس وقت ہے کس سوچ میں زینبؑ مِری جائی
دنیا میں وہ پھر پائے گی اس طرح کا بھائی کی میری کمائی سے عزیز اپنی کمائی
فرزندوں کے مرنے سے ہلاکت کے قریں ہے
معلوم ہوا ہوش میں اس وقت نہیں ہے

روتی ہوئی قدموں پہ گری بھائی کے ہمشیر ۷۸ جس وقت سُنی حضرتِ زہراؑ کی یہ تقریر
صدقہ علی اکبرؑ کا مِری بخشیے تقصیر کی عرض بہ صد عجز کہ یا حضرتِ شبیرؑ
کیوں آپ ہوئے مستعدِ جنگ یہ کیا تھا
روکا تھا جو اکبرؑ کو وہ جھگڑا ہی جدا تھا

کیا اس لئے روکا تھا رہیں اکبرِؑ ذی جاہ ۷۹ اور تشنہ دہن آپ سدھاریں سوئے جنگاہ
حضرت تو ہیں واقف بہن ایسی نہیں یا شاہ گر جان بھی کام آئے تو موجود ہے واللہ
بیٹے مِرے کیا تھے، علی اکبرؑ ہیں تو کیا ہیں
سَو ایسے پسر کوکھ پہ زہراؑ کی فدا ہیں

ہم شکل یہ جن کے ہیں اگر آج وہ ہوتے ۸۰ میدان میں حضرت کے لئے جان کو کھوتے
اس لشکرِ اعدا کو علیؑ خوں میں ڈبوتے وہ چاہنے والے تو ہیں سب قبر میں سوتے
کس درد سے فریاد و بکا کرتی ہیں امّاں
سُن لیجئے، بیٹی کا گِلہ کرتی ہیں امّاں

اکبرؑ سے کہا لو مِری جاں رن کو سِدھارو ۸۱ زینبؑ کا بنا کام بگڑتا ہے سنوارو
جو دشمنِ اولادِ علیؑ ہیں انھیں مارو اب حق یہی میرا ہے کہ سر باپ پہ وارو
اس طرح کے مرنے میں بڑا نام ہے بیٹا
ہاں شیروں کے بیٹوں کا یہی کام ہے بیٹا

تسلیم کو خوش ہو کے جھکے اکبرِؑ ذی جاہ ۸۲ دل تھام کے غش ہوگئی بنتِ اسداللہ
کانپے فلک اس درد سے شبیرؑ نے کی آہ ماں ڈیوڑھی تلک روتی گئی بیٹے کے ہمراہ
خیمے سے پدر ساتھ پسر کے نکل آیا
خورشید بھی ہمراہ قمر کے نکل آیا

گھوڑے پہ چڑھے، شاہ سے رخصت ہوئے اکبرؑ ۸۳ فرزندِ یداللہ سے رخصت ہوئے اکبرؑ
کس صدمۂ جانکاہ سے رخصت ہوئے اکبرؑ شہ پھرتے نہ تھے راہ سے، رخصت ہوئے اکبرؑ
کتنا دلِ بیتاب کو سمجھاتے تھے شبیرؑ
ہر گام پہ مُڑ مُڑ کے ٹھہر جاتے تھے شبیرؑ

کیوں پھیر دیا راہ تو بتلادو کدھر جائیں ۸۴ چلّاتے تھے اب بھی جو بُلالو تو چلے آئیں
وہ کہتا تھا تکلیف بس اب آپ نہ فرمائیں اے نورِ بصارت تمھیں ڈھونڈیں تو کہاں پائیں
مجھ کو جو اجل کا نہ پیام آئے گا بابا
خود آپ کی خدمت میں غلام آئے گا بابا

طاقت جو نہ تھی بیٹھ گئے خاک پہ شبیرؑ ۸۵ یہ کہہ کے بڑھے رن کی طرف اکبرِؑ دلگیر
ذرّوں میں نظر آنے لگی مہر کی تنویر روشن جو ہوا دشت تو گھبرا گئے بے پیر
نورِ رخِ احمدؐ جو دوبارہ نظر آیا
خورشیدِ جہاں تاب ستارہ نظر آیا

اک سُو تھا یہ غل عیسیٰؑ دوراں ہے یہ غازی ۸۶ کہتا تھا کوئی موسیٰؑ عمراںؑ ہے یہ غازی
چلّاتی تھیں پریاں کہ سلیماںؑ ہے یہ غازی کتنوں کو یقیں تھا مہِ کنعاں ہے یہ غازی
کچھ متفق اس پر تھے کہ یہ نوحؑ نبی ہیں
کہتے تھے مسلماں کہ رسولِ عربی ہیں

عمّامۂ محبوبِ خدا سر پہ ہے موجود ۸۷ وارث ہے رسولوں کے تبرّک کا یہ ذی جود
پیراہنِ یوسفؑ، زرہِ حضرتِ داوٗدؑ آدمؑ کا کمر بند و کُلہ، خودِ سرِ ہود
شانِ نبوی، عزت و توقیرِ حسینیؑ
نیزہ جو حسنؑ کا ہے تو شمشیرِ حسینیؑ

ہے ان سے عیاں سلسلۂ احمدِؐ مختار ۸۸ گیسوئے مسلسل رخِ روشن پہ جو ہیں چار
ہیں معنیٔ پیچیدہ، کُھلیں گر تو ہوں تلوار یہ مصحفِ رخسار کی سطریں ہیں نمودار
زلفوں میں کرو غور ذرا رخ کی ضیا کو
دیکھو شبِ معراج میں محبوبِ خدا کو

۸۹
چہرے کو اگر صبح کہیں، زلف کو گر رات دن ہوتا ہے، جب خلق سے کرتی ہے سفر رات
دنیا میں سدا شام سے ہے تا بہ سحر رات یاں پیچ میں خورشید، اِدھر رات، اُدھر رات
گیسوئے رسا رُوئے دل افروز بہم ہے
کیا قدرتِ حق ہے کہ شب و روز بہم ہے

۹۰
دنیا میں کوئی آج نہیں ثانیٔ اکبرؑ یوسفؑ کی زباں پر ہے ثناخوانیٔ اکبرؑ
یہ ماہِ دو ہفتہ ہے کہ پیشانیٔ اکبرؑ خورشید ہے یا چہرۂ نورانیٔ اکبرؑ
یہ جلوہ گری مہر کے پرتو میں نہیں ہے
ابرُو میں جو خم ہے وہ مہِ نَو میں نہیں ہے

۹۱
سجدے کا نشاں اور یہ پیشانیٔ انور طالع سرِ خورشید پہ ہے زُہرۂ ازہر
حقّا کہ یہ ہے تاجِ سرِ عرش کا گوہر دکھلائے تو کوئی فلک اس طرح کا گوہر
حصے میں ستارہ یہ نہیں اور کسی کے
تارا یہ وہ ہے گھر میں جو اترا ہے علیؑ کے

۹۲
اُبرُو جو کماں ہیں تو ہیں مژگانِ سیہ تیر ہے جن کے ہر اک گوشے پہ قرباں دلِ شبیرؑ
ہے دیدۂ ابرو سے عیاں جنگ کی تصویر دو مردمِ خوں ریز ہیں کھینچے ہوئے شمشیر
اب دیکھیں تو کون آنکھ ملا سکتا ہے رن میں
الٹیں گی صفیں فوج کی اک چشم زدن میں

۹۳
آغاز ہے سبزہ انھیں اٹّھارواں ہے سال کس فصل میں اس گُل کو خزاں کرتی ہے پامال
اک نورِ مجسّم ہے زہے حشمت و اجلال خورشید پہ نقطے ہیں کہ رخساروں پہ ہیں خال
سیّارے ہوں اسپند جو سارے تو بجا ہے
تاروں کو فلک ان پہ اُتارے تو بجا ہے

یہ نخل ذرا پھولنے پھلنے نہیں پایا ۹۴ سبزہ رخِ گلگوں پہ نکلنے نہیں پایا
ہاتھوں میں حنا بیاہ کی ملنے نہیں پایا موسم بھی لڑکپن کا بدلنے نہیں پایا
چہرے سے عیاں ہے یہ جوانی میں بھی کم ہے
دو سال ابھی عشرۂ ثانی میں بھی کم ہے

لالے کی کلی میں نہیں دیکھا یہ تبسُّم ۹۵ بستہ ہے یہ غنچہ کہ دہن، عقل ہے یاں گُم
اشکوں کی طرح آنکھ سے گر جاتے ہیں انجم دانتوں کی چمک دیکھ کے ہنگامِ تکلُّم
تابش میں جو دنداں شکنِ برق ہوئے ہیں
دریائے خجالت میں گہر غرق ہوئے ہیں

ساعد کی ضیا دیکھ کے موسیٰ کے اُڑے ہوش ۹۶ بے مثل ہے یہ گردن و بازو و بر و دوش
یہ اُنگلیاں روشن ہیں کہ شمعیں ہوئیں خاموش ہے ضو سے ہتھیلی کی قمر ابر میں روپوش
ناخن نے دِکھایا جو رخِ جلوہ گر اپنا
شرماکے مہِ نَو نے جھکایا ہے سر اپنا

نور اس میں ہے یا آئینے میں عکسِ پری ہے ۹۷ سینہ ہے وہ سینہ کہ جو کینے سے بری ہے
یاں روشنئ طُور چراغِ سَحَری ہے کب قرصِ مہ و مہر میں یہ جلوہ گری ہے
دیکھے جو اسے، علم کے گنجینے کو دیکھے
اس سینے کو جو دیکھے تو آئینے کو دیکھے

ہے صاف تو یہ بات کہ دشوار ہیں اوصاف ۹۸ بے مثل ہے سینے کی طرح یہ شکمِ صاف
خورشید سے روشن ہے تو آئینہ ہے شفّاف دیکھیں جو نظر بھر کے اُسے صاحبِ انصاف
ضَو ایسی نہ آئینۂ مہتاب میں دیکھی
مخمل نے یہ نرمی نہ کبھی خواب میں دیکھی

ہیں ان کے قدم راہ روِ جادۂ تسلیم ۹۹ ہاتھ آئے ہیں کیا پاؤں، زہے عزت وتکریم
ان قدموں پہ جو سر ہو وہ ہے لائقِ تعظیم ثابت قدمی ان سے سدا پاتی ہے تعلیم
روشن جو زمیں ہے تو یہ پرتو ہے اِنھی کا
جو راہِ خدا میں ہے وہ پیرو ہے انھی کا

ناگاہ رجز خواں ہوا وہ شیرِ غضبناک ۱۰۰ میں شیر کا فرزند ہوں اے لشکرِ سفّاک
دادا مِرا حیدرؑ ہے، وصیِ شہِ لَولاک ہر رِجس سے دنیا کے جسے حق نے کیا پاک
عیسیٰؑ کو، نہ موسیٰؑ کو، نہ آدمؑ کو مِلا ہے
جو فضلِ الٰہی سے شرف ہم کو مِلا ہے

مشہور ہیں جو صاحبِ توقیر وہ ہم ہیں ۱۰۱ ہے جن کا شرف عرش پہ تحریر وہ ہم ہیں
بھیجی جنھیں اللہ نے شمشیر وہ ہم ہیں آئی ہے جنھیں آیۂ تطہیر وہ ہم ہیں
ناری ہے وہ، اس گھر سے جو الفت نہیں رکھتا
عالم میں کوئی ہم پہ فضیلت نہیں رکھتا

ہے نورِ الٰہی کی ضیا گھر میں ہمارے ۱۰۲ اُترے ملکِ عرشِ عُلا گھر میں ہمارے
نعمت کے طبق آئے سدا گھر میں ہمارے نازل ہوا قرآنِ خدا گھر میں ہمارے
خورشید کو رجعت ہو وہ اعجاز بیاں ہیں
قرآن زباں جس کی ہے ہم اس کی زباں ہیں

روشن اگر آئینۂ دیں ہیں تو ہمیں ہیں ۱۰۳ گر مُہرِ نبوت کے نگیں ہیں تو ہمیں ہیں
اور بعدِ نبیؐ تخت نشیں ہیں تو ہمیں ہیں اسرارِ الٰہی کے امیں ہیں تو ہمیں ہیں
قُدسی ہیں مُعَرِّف سحر و شام ہمارے
جو عرش پہ لکھے ہیں وہ ہیں نام ہمارے

۱۰۴ خورشیدِ سخا، ابرِ کرم، عینِ عطا ہیں ہر شخص کی مشکل میں ہمیں عقدہ کشا ہیں
ہم طُرّۂ دستارِ سرِ عرشِ خدا ہیں مُردو کو جِلایا ہے وہ اعجاز نما ہیں
عالم پہ ازل سے ہیں عنایات ہماری
ہے خلقتِ آدمؑ کا سبب ذات ہماری

۱۰۵ اللہ نے بخشا ہے ہمیں رتبۂ عالی حال اپنی شرافت کا ہے سب خلق پہ حالی
ہیں نورِ خدا، ہم سے کوئی جا نہیں خالی فردوس کے مختار ہیں، کونین کے والی
گہ تحت ثریٰ، اوجِ ثریّا پہ کبھی ہیں
یاں ہیں کبھی اور طارمِ اعلیٰ پہ کبھی ہیں

۱۰۶ باطن میں ہیں تو ہم ہیں، جو ظاہر ہیں تو ہم ہیں اسرارِ الٰہی کے جو ماہر ہیں تو ہم ہیں
قاری ہیں تو ہم ہیں، جو مفسّر ہیں تو ہم ہیں ہر آئینہ مصحف کے اگر سِر ہیں تو ہم ہیں
قرآں کو جو پوچھو تو وہ حصہ ہے ہمارا
توریت اور انجیل پہ قبضہ ہے ہمارا

۱۰۷ سو مُردوں کو عیسیٰؑ کی طرح دم میں جِلا دیں طالب ہو تو اعجاز رسولوں کے دکھا دیں
اور خضر سے رہبر کو بھی ہم راہ بتادیں بیمارِ چہل سالہ کو لاؤ تو شفا دیں
پتھر کو کریں موم، بُلا لیویں شجر کو
ٹکڑے کریں اُنگلی کے اشارے سے قمر کو

۱۰۸ کعبہ جسے کہتے ہیں وہ ہے طُور ہمارا معبود کو خود اوج ہے منظور ہمارا
ہم خاک پہ ہیں عرش پہ ہے نور ہمارا گو، یاں ہیں مکیں، پر ہے مکاں دُور ہمارا
اللہ کے ہم ظاہرو باطن میں ولی ہیں
گہ سِرِّ خفی اُس کے ہیں اور گاہ جلی ہیں

دربان ہے جبریلؑ امیں گھر کا ہمارے　　۱۰۹　　غل عرش پہ ہے رتبۂ برتر کا ہمارے
قیصر بھی غلام ایک ہے قنبر کا ہمارے　　　　خاقان ہے ادنیٰ سا گدا در کا ہمارے
اس گھر کے وہ محتاج ہیں جو صاحبِ زر ہیں
اللہ کے ہاتھوں کے سبھی دست نگر ہیں

عزت ہمیں بخشی ہے، شرافت ہمیں دی ہے　　۱۱۰　　اللہ نے سب طرح کی دولت ہمیں دی ہے
قائل ہیں عرب جس کے وہ جُرأت ہمیں دی ہے　　　　کونین کو بخشیں، وہ سخاوت ہمیں دی ہے
روباہوں کے بلوے سے ترڈّد ہمیں کیا ہے
ہم شیر ہیں اس شیر کے جو شیرِ خدا ہے

ہیں علمِ شریعت کے ہمیں امر و نواہی　　۱۱۱　　زیبا ہے ہمارے ہی لئے رتبۂ شاہی
برہم ہوں تو آجائے زمانے پہ تباہی　　　　ہے آلِ محمدؐ کا غضب قہرِ الٰہی
برقِ غضبِ حضرتِ باری نہیں رکتی
لاکھوں سے کبھی تیغ ہماری نہیں رکتی

ان ہاتھوں سے مارا گیا مرحب سا دلاور　　۱۱۲　　ہیں فاتحِ بدر و احد و خندق و خیبر
دو انگلیوں سے چاک کیا کلّۂ اژدر　　　　اک ضرب میں کاٹا سرِ عمرو سرِ عنتر
منصور و مظفّر رہے تائیدِ احد سے
کعبے میں سرِ لات کو توڑا ہے لگد سے

تلوار سے رستم کو بھگا دیتے ہیں دم میں　　۱۱۳　　شہرہ ہے ہمارا عرب و روم و عجم میں
اور گاڑ دیا دیں کا نشاں بیرِ الم میں　　　　باندھا ہے گلا دیو کا طاقت ہے وہ ہم میں
جنات کے لشکر سے کئی بار لڑے ہیں
پانی کے لئے آگ میں ہم کود پڑے ہیں

۱۱۴ فرزند ہوں اس کا جو نبیؐ کا ہے نواسا میں اُس کا پسر ہوں جو خدا کا ہے شناسا
میں وہ ہوں پدر جس کا ہے دو روز سے پیاسا جان اس کی ہوں پانی نہ ملا جس کو ذرا سا
دلدار ہوں خاتونِ قیامت کے پسر کا
ٹکڑا ہوں محمدؐ کے کلیجے کے جگر کا

۱۱۵ راتیں ہیں جوانی کی مرادوں کے ہیں یہ دن اے قوم ابھی اٹّھارہ برس کا ہے مرا سِن
پر جان کا سرقہ میں کروں یہ نہیں ممکن ماں باپ کو راحت نہیں اک آن مِرے بِن
کھانے کی نہ پروا ہے نہ پانی کی ہوس ہے
میں وہ ہوں جسے مرگِ جوانی کی ہوس ہے

۱۱۶ اور نادِ علیؑ پڑھ کے دمِ تیغ پہ دم کی فرماکے رجز، شیر نے شمشیر علم کی
سیدھی صفِ دشمن کو ملی راہ عدم کی تعریف کرے کیا کوئی اس کے چم وخم کی
کیا آگ تھی اس شعلۂ پُرقہر کے اندر
چنگاریاں اُڑ اُڑ کے گریں نہر کے اندر

۱۱۷ تیروں کے برسنے کا ہوا مینہ کی طرح شور ڈھالوں کی گھٹا چار طرف چھا گئی گھنگھور
اکبرؑ جو بڑھے شام کے بادل کا گھٹا زور گرجے صفتِ رعد جوانانِ سَلَح شور
جاتے ہی وہ شمشیر نہ پھرتی نظر آئی
اک برق سی ہر غول پہ گرتی نظر آئی

۱۱۸ دو ہو گیا شمشیر جسے شیر نے ماری تھا حملۂ اکبرؑ غضبِ حضرتِ باری
ڈھالیں تو شکستہ تھیں، وہ تلواریں تھیں عاری اک برقِ جہندہ تھی وہ روکیں کسے ناری
دشمن کو گرا کر بھی نہ منہ موڑتی تھی وہ
دم تن سے نکل جاتا تھا تب چھوڑتی تھی وہ

شعلہ تھی کہیں اور کہیں ثعباں تھی وہ شمشیر ۱۱۹ اک معجزۂ موسیٰؑ عمراںؑ تھی وہ شمشیر
گو تھے سرِ کفّار تو چوگاں تھی وہ شمشیر بجلی تھی، کبھی یاں تو کبھی واں تھی وہ شمشیر
اک حشر کا عالم تھا، غضب جنگ ہوئی تھی
افراط سے کشتوں کے زمیں تنگ ہوئی تھی

تلوار لگانے کی جگہ روکتے تھے ڈھال ۱۲۰ تھے فوجِ شقاوت کے پرے مضطر و بے حال
سوفار اُدھر تیر کا، چلّے کی طرف پھال تھا ہول کے مارے یہ ستمگاروں کا احوال
رخ پھیرتے تھے جو قدر انداز بڑے تھے
چلّوں کی طرح تیر کشاکش میں پڑے تھے

شہزادے ترے خون کے درپے یہ لعیں ہیں ۱۲۱ غل تھا یہ کمانوں میں کہ ہم گوشہ گزیں ہیں
بدکیش و خطاکار یہی دشمنِ دیں ہیں چلّاتے تھے یہ تیر کہ ہم چلّہ نشیں ہیں
کس طرح سے قابوئے زبردست سے نکلیں
بس ہو جو ہمارا تو نہ ہم شست سے نکلیں

شاباش مِرے شیر یہ تھی جنگ کی تدبیر ۱۲۲ ہر وار پہ اکبرؑ کو صدا دیتے تھے شبیرؑ
یہ بند نہ کھُلتے کبھی جز ناخنِ شمشیر ٹکڑے کئے یوں ڈانڈ کے کٹ کٹ گئے بے پیر
فردوس میں جنت کا محل ملتا ہے تم کو
کیا دیکھیے اس جنگ کا پھل ملتا ہے تم کو

اکبرؑ پہ اُدھر ٹوٹ پڑا لشکرِ گمراہ ۱۲۳ رو رو کے یہ کہتے تھے ابھی سیدِ ذی جاہ
دل تھام کے غازی نے کہا ’یا اسد اللہ‘ اک ظلم کی برچھی جو لگی سینے پہ ناگاہ
آلودہ بہ خوں کھنچ کے جو برچھی کا پھل آیا
کٹ کٹ کے جگر سینے سے باہر نکل آیا

برچھی کو تو اس شیر نے جلّاد سے چھینا ۱۲۴ پر ڈوب گیا خون میں وہ چاند سا سینہ
دی باپ کو آواز کہ اے شاہِ مدینہ برچھی سے جگر چھد گیا دشوار ہے جینا
اٹّھارہ برس آپ کے سائے میں پلے ہم
جلد آیئے یا شاہ کہ دنیا سے چلے ہم

آوازِ پسر سُنتے ہیں حالت ہوئی تغییر ۱۲۵ چلّا کے کہا ہائے کلیجے پہ لگا تیر
برچھی سے تو زخمی ہوئے واں اکبرؑ دلگیر بسمل سے تڑپنے لگے یاں حضرتِ شبیرؑ
تھا کون اٹھا تا جو زمیں سے انھیں آ کر
اٹھ کر کبھی دوڑے تو گرے ٹھوکریں کھا کر

میداں میں جو شہ آئے تو اکبرؑ کو نہ پایا ۱۲۶ لاشوں میں کہیں لاشۂ صفدر کو نہ پایا
ڈھونڈا کئے، ہم شکلِ پیمبرؐ کو نہ پایا غازی کو، بہادر کو، دلاور کو نہ پایا
دریا پہ گئے، جھک کے کبھی چاہ کو دیکھا
لیکن نہ کہیں جلوہ گر اُس ماہ کو دیکھا

اعدا سے کہا کیا ہوا یارو مِرا پیارا ۱۲۷ میدان سے کس سمت مِرا شیر سدھارا
کس ظالمِ بے رحم نے اس لعل کو مارا بتلاؤ سلامت ہے کہ سر تن سے اتارا
صورت نہ دکھاؤ گے جو اس تشنہ گُلو کی
ندّی اسی میداں میں بہا دوں گا لہو کی

یہ کہتے ہی لی میان سے شمشیرِ شرر بار ۱۲۸ اور غیظ میں آیا پسرِ احمدِؐ مختار
آئی یہ صدا حیدرؓ کرار کی یک بار اکبرؑ کا پتہ دیتا ہوں میں اے مِرے دلدار
صحرا میں وہ اک نخل تلے خون میں تر ہے
آغوش میں زہراؑ کے ترا نورِ نظر ہے

چھاتی پہ کبھی ہاتھ کو مارا کبھی سر پر ۱۲۹ ناگاہ نظر پڑ گئی اس نورِ نظر پر
بس ہائے پسر کہہ کے گرے لاشِ پسر پر اک کوہِ غم و درد گرا شہ کے جگر پر
چلّائے کہ دنیا سے سفر کرتے ہو بیٹا
ہے ہے یہ پدر جیتا ہے تم مرتے ہو بیٹا

میدانِ شہادت میں قدم آپ نے مارا ۱۳۰ سمجھا یہ پدر پاؤں رگڑ نے کا اشارا
دیکھیں انھیں آنکھوں سے ہم اب کوچ تمھارا جن آنکھوں کو ان خاک بھرے تلووں پہ وارا
ہاتھوں کو زمیں پر جو پٹکتے ہو اُٹھا کے
کیا ہاتھ نہیں چھوٹتے پنجے سے قضا کے

اشک آنکھوں سے جاری ہوئے، کی آہ جگر سے ۱۳۱ لپٹے علی اکبرؑ یہ سخن سُن کے پدر سے
بیٹا تو چھٹا باپ سے اور باپ پسر سے دیکھا شہِ مظلوم کو حسرت کی نظر سے
چلّائے شہِ دیں کہ سفر کر گئے اکبرؑ
زہراؑ کی صدا آئی کہ ہاں مرگئے اکبرؑ

غش ہوگئے مجلس میں کئی شہ کے عزادار ۱۳۲ خاموش **انیسؔ** اب کہ نہیں طاقتِ گفتار
ہے حق بہ طرف روئیں اگر سیّدِ ابرار جانکاہ ہے یہ ماتمِ فرزندِ خوش اطوار
وا حسرت و دردا کہ عجب غنچہ دہاں مُرد
ایں ماتمِ سخت است کہ گویند جواں مُرد